ربیع بن سلیمان

امام شافعیؒ کا سفرنامہ

امام شافعی نے بہت کم عمری میں تحصیلِ حدیث کے لئے مدینہ منورہ اور عراق کا سفر کیا تھا جس کی سرگزشت اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان سے بیان کی تھی۔ اُنھوں نے ان حالات کو سفرنامہ کی شکل میں قلم بند کرکے محفوظ کر دیا جس سے اس عہد کے علماء اور اس زمانے کی معاشرت کے بارے میں بعض دلچسپ اور کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مکّہ سے جب میں روانہ ہوا تو میری عمر ۱۴ برس کی تھی۔ دو یمنی چادریں میرے جسم پر تھیں۔ ذی طویٰ پہنچا تو ایک پڑاؤ دکھائی دیا۔ میں نے صاحب سلامت کی۔ ایک ضعیف العمر شخص میری طرف بڑھا اور اپنے ساتھ کھانے میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے بے تکلفی سے وہ دعوت قبول کرلی۔ کھانے سے فراغت کے بعد خدا کا شکر اور بوڑھے میزبان کا شکریہ ادا کیا۔

اب باتیں ہونے لگیں۔ اُنہوں نے سوال کیا "تم مکّی ہو؟" میں نے جواب دیا "جی ہاں میں مکّی ہوں"۔ پھر سوال کیا "قریشی ہو؟" میں نے کہا "ہاں قریشی ہوں"۔ پھر میں نے پوچھا "چچا! یہ آپ نے کیسے جانا کہ میں مکّی ہوں، قریشی ہوں؟" اُنہوں نے جواب دیا کہ "شہری ہونا تو تمہارے لباس ہی سے ظاہر ہے اور قریشی ہونا تمہارے کھانے سے معلوم ہوگیا۔ جو شخص دوسروں کا کھانا بے تکلفی سے کھا لیتا ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کا کھانا بھی دل کھول کر کھائیں اور یہ خصلت صرف قریش کی ہے"۔

میں نے پوچھا "آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟" جواب ملا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مدینہ میرا وطن ہے"۔ میں نے پوچھا "مدینہ میں کتاب و سنت کا سب سے بڑا عالم اور مفتی کون ہے؟" اُنہوں نے جواب دیا کہ "بنی اصبح کا سردار مالک بن انس"۔ (امام مالکؒ) میں نے کہا، خدا ہی جانتا ہے مجھے امام مالک سے ملنے کا کتنا شوق ہے؟" بوڑھے نے جواب دیا "خوش ہو جاؤ، خدا نے تمہارا شوق پورا کردیا۔ اس بھورے اونٹ کو دیکھو، یہ ہمارا سب سے اچھا اونٹ ہے۔ اسی پر تم سوار ہوگے۔ اب قافلہ کوچ کرنے والا ہے"۔

سب اونٹ قطاریں کھڑے کر دئے گئے۔ مجھے اسی بھورے اونٹ پر بٹھایا گیا، اور قافلہ چل پڑا۔ میں نے تلاوتِ قرآن شروع کردی۔ مکہ سے مدینہ تک سولہ ختم ہوگئے۔ ایک دن میں ختم کرلیتا دوسرا رات میں۔

امام مالکؒ سے ملاقات

آٹھویں دن عصر کے وقت مدینہ میں ہمارا داخلہ ہوا۔ مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ پھر مزارِ مقدس کے قریب حاضر ہوا اور صلوٰۃ وسلام بھیجا۔ امام مالک دکھائی دئے۔

ایک چادر کی تہ بند باندھے تھے۔ دوسری چادر اوڑھے تھے اور بلند آواز سے حدیث روایت کر رہے تھے۔
"مجھ سے نافع نے ابنِ عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے.....۔"
یہ کہہ کر انہوں نے زور سے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔

یہ نظارہ دیکھ کر امام مالکؒ کی ہیبت مجھ پر چھا گئی اور جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گیا۔ امام مالکؒ حدیث روایت کرنے لگے۔ میں نے جلدی سے ایک تنکا اُٹھا لیا۔ امام مالک جب کوئی حدیث سناتے تو میں اسی تنکے کو اپنے لعابِ دہن میں تر کر کے اپنی ہتیلی پر لکھ لیتا۔ امام مالک میری یہ حرکت دیکھ رہے تھے، مگر مجھے خبر نہ تھی۔ آخر مجلس ختم ہو گئی۔ اور امام مالکؒ دیکھنے لگے کہ سب کی طرح میں بھی اُٹھ جاتا ہوں یا نہیں۔ میں بیٹھا ہی رہا۔ تو امام مالک نے اشارے سے مجھے بلایا۔ میں قریب پہنچا تو کچھ دیر بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا "تم حرم کے رہنے والے ہو؟" میں نے عرض کیا۔ "جی ہاں، میں حرم ہی کا باشندہ ہوں۔" پوچھا "مکی ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" کہنے لگے "قریشی ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" یہ فرمایا سب اوصاف پورے ہیں۔ مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے۔" میں نے عرض کیا "آپ نے میری کون سی بے ادبی دیکھی ہے؟" کہنے لگے "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سُنا رہا تھا اور تم تنکا لئے اپنے ہاتھوں پر کھیل رہے تھے۔" میں نے جواب دیا "کاغذ پاس نہیں تھا اس لئے جو کچھ آپ سے سنتا تھا اسے لکھتا جاتا تھا۔" اس پر امام مالکؒ نے میرا ہاتھ کھینچ لیا دیکھا اور فرمایا "ہاتھ پر تو کچھ بھی لکھا نہیں ہے۔" میں نے عرض کیا "ہاتھ پر لعاب باقی نہیں رہتا، لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں مجھے سب یاد ہو چکی ہیں۔" امام مالک کو تعجب ہوا کہنے لگے "سب نہیں، ایک ہی حدیث سنا دو۔" میں نے فوراً کہا،
"مجھ سے مالک نے نافع اور ابنِ عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے....."
اور امام مالک ہی کی طرح میں نے بھی ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔ پھر وہ پچیس حدیثیں سنا دیں۔ جو انہوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے مجلس کے خاتمے تک سُنائی تھیں۔

اب سورج ڈوب چکا تھا۔ امام مالکؒ نے نماز پڑھی۔ پھر میری طرف اشارہ کر کے خادم سے کہا: "اپنے آقا کا ہاتھ تھام۔" اور مجھ سے فرمایا "اُٹھو خادم کے ساتھ میرے گھر جاؤ۔" میں نے ذرا انکار نہ کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب گھر پہنچا تو خادم ایک کوٹھری میں مجھے لے گیا، اور کہنے لگا "گھر میں قبلہ کا رُخ یہ ہے، پانی کا لوٹا یہ رکھا ہے اور بیت الخلا ادھر ہے۔"

تھوڑی دیر بعد خود امام مالک آ گئے، خادم بھی ساتھ تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوان تھا۔ امام مالکؒ نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا۔ پھر مجھے سلام کیا اور خادم سے کہا کہ ہاتھ دُھلائے۔ خادم برتن لئے میری طرف بڑھا مگر امام مالکؒ نے ٹوکا "جانتا نہیں کھانے سے پہلے میزبان کا ہاتھ دھونا چاہیے اور کھانے کے بعد مہمان کا۔" مجھے یہ بات پسند آئی اور اس کی وجہ دریافت کی۔ امام مالک نے جواب دیا "میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے، اس لئے پہلے ہاتھ بھی

میزبان ہی کو دھونا چاہیئے۔ اور کھانے کے بعد آخر میں اس لئے دھوتا ہے کہ شائد اور کوئی مہمان آجائے تو کھانے میں میزبان اس کا بھی ساتھ دے سکے۔"

کھانا کھانے کے بعد امام مالک مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہو گئی تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اب تم آرام کرو" میں تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹتے ہی بے خبر سو گیا۔ پچھلے پہر کوٹھری کے دروازے پر دستک پڑی، اور آواز آئی "خدا کی رحمت ہو تم پر، نماز" میں اُٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ خود امام مالک ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی، مگر وہ کہنے لگے "ابو عبداللہ کچھ خیال نہ کرو، مہمان کی خدمت فرض ہے"۔

امام مالک کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز فجر ادا کی۔ اندھیرا بہت تھا، تاریکی دور ہو جانے کے بعد جب پہاڑوں پر دھوپ نمودار ہو گئی تو امام مالک جس جگہ کل بیٹھے تھے اسی جگہ آج بھی جا بیٹھے اور اپنی کتاب مؤطا میرے ہاتھ میں دیدی۔ میں نے کتاب سنانا شروع کی اور لوگ لکھنے لگے۔

میں امام مالک کے یہاں آٹھ مہینے رہا۔ پوری مؤطا مجھے حفظ ہو گئی۔ مجھ میں اور امام مالک میں اس قدر محبّت اور بے تکلفی ہو گئی تھی کہ کوئی انجان دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ مہمان کون ہے اور میزبان کون۔

عراق کا سفر

حج کے بعد مدینہ کی زیارت کرنے اور مؤطا سننے کے لئے مصر کے لوگ مدینہ آئے اور امام مالک کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے مصریوں کو پوری مؤطا زبانی سنائی۔

اس کے بعد اہلِ عراق حاضر ہوئے۔ مزار مبارک اور منبر کے درمیان مجھے ایک نوجوان دکھائی دیا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی نماز بھی اچھی تھی۔ میں نے نام پوچھا۔ بتا دیا۔ پھر میں نے وطن پوچھا۔ معلوم ہوا وہ کوفہ کا باشندہ ہے۔ میں نے کہا "کوفہ میں کتاب وسنت کا عالم ومفتی کون ہے؟" اس نے جواب دیا "ابو یوسف اور محمد بن حسن جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں"۔ میں نے پوچھا عراق کو تمہاری واپسی کب ہو گی؟" اُس نے جواب دیا "کل صبح تڑکے"۔

یہ سُن کر امام مالک کے پاس آیا۔ ان کا عندیہ معلوم کیا۔ اُنہوں نے علم کی طلب اور اس کے حصول کی فضیلت بیان کی اور راستہ کے لئے میرے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ صبح تڑکے وہ مجھے بقیع تک پہنچانے آئے اور زور سے پکارنے لگے: "کوفہ کے لئے کون اپنا اونٹ کرایہ پر دیتا ہے؟" یہ سُن کر مجھے تعجب ہوا اور عرض کیا "یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ نہ میرے پاس کوئی رقم ہے اور نہ خود آپ ہی کی حالت کسی قابل ہے، پھر یہ کرائے کا اونٹ کیسا؟" امام مالک مسکرائے اور کہنے لگے: "نماز عشاء کے بعد جب تم سے رخصت ہوا تو دروازے پر دستک پڑی، میں باہر نکلا تو عبدالرحمن بن قاسم کھڑے تھے، ہدیہ لائے تھے۔ منّتیں کرنے لگے کہ قبول کر لو۔ اور ہاتھ میں ایک تھیلی تھما دی۔ تھیلی میں سو دینار نکلے۔ پچاس تو میں نے اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے ہیں اور پچاس تمہارے واسطے لے آیا ہوں"۔ پھر امام مالک نے چار دینار میں اونٹ طے کر دیا، باقی رقم میرے حوالہ کی اور مجھے خدا حافظ کہا۔

حاجیوں کے اس قافلہ کے ساتھ میں روانہ ہوگیا۔ چوبیسویں دن ہم کوفہ پہنچے۔ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہُوا، نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ اسی دوران میں ایک لڑکا دکھائی دیا، نماز پڑھ رہا تھا، مگر اس کی نماز ٹھیک نہ تھی، مجھ سے نہ رہا گیا اور نصیحت کرنے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ میں نے کہا میاں صاحبزادے! نماز اچھی طرح پڑھا کرو تاکہ آخرت کی گرفت سے محفوظ رہو۔ لڑکے کو میری بات بُری لگی، اُس نے اپنی چادر زور سے جھٹکی اور مسجد سے باہر جانے لگا۔

امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ سے ملاقات

اتفاق سے مسجد کے دروازے ہی پر لڑکے کو محمد بن حسن اور ابویوسف مل گئے۔ اس نے ان سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ دونوں حضرات نے کہا تم اس شخص کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو؟ لڑکا لوٹ آیا اور مجھ سے وہ سوال کیا۔ میں نے جواب دیا "دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں"۔ لڑکا یہ سُن کر چلا گیا اور ان دونوں حضرات کو میرا جواب پہنچا دیا۔ اس پر وہ سمجھ گئے کہ جواب ایسے آدمی کا ہے جس کی علم پر نظر ہے۔ مگر اُنہوں نے اس لڑکے سے کہا، پھر جاکر پوچھو کہ وہ دونوں فرض کون ہیں اور سنت کیا ہے؟ لڑکے نے آکر مجھ سے یہی سوال کیا۔ میں نے جواب دیا، "پہلا فرض نیت ہے، دوسرا فرض تکبیر تحریمہ ہے اور سنت دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا ہے"۔ لڑکے نے میرا جواب بھی دونوں صاحبوں کو سنا دیا۔

اب وہ دونوں حضرات مسجد میں داخل ہوئے، مجھے غور سے دیکھا، آگے بڑھ گئے۔ اور ایک طرف بیٹھ گئے پھر لڑکے سے کہا، جاؤ اس شخص سے کہو کہ مشائخ کے روبرو آئے۔ پیغام سُن کر میں سمجھ گیا کہ علمی مسائل میں میرا امتحان لیں گے۔ میں نے لڑکے کو جواب دیا کہ لوگ علم کے پاس آتے ہیں اور علم کسی کے پاس نہیں جاتا، پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارے مشائخ سے ملنے کی ضرورت کیا ہے؟

میرا جواب پاتے ہی محمد بن حسن اور ابویوسف اُٹھ کھڑے ہوئے اور میری طرف بڑھے۔ جب اُنہوں نے مجھے سلام کیا تو میں بھی کھڑا ہو گیا اور مسرّت ظاہر کی۔ وہ بیٹھ گئے، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ محمد بن حسن نے گفتگو شروع کی۔ اثنائے گفتگو میں اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ "امام مالک کو تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا "جی ہاں۔ امام مالک ہی کے پاس سے آرہا ہوں"۔ سوال کیا کہ مؤطا بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا، مؤطا حفظ بھی کر چکا ہوں۔

محمد بن حسن کو یہ بات تعجب خیز نظر آئی۔ اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا، اور ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ لکھا ہر دو مسئلوں کے درمیان کافی جگہ خالی رکھی، اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ان مسائل کا جواب موطا سے لکھ دو"۔ میں نے سب مسئلوں کے جواب لکھے اور کاغذ محمد بن حسن کے سامنے رکھ دیا، اُنہوں نے بغور میری تحریر پڑھی، پھر مُڑ کر خادم کو حکم دیا:

"اپنے آقا کو گھر لے جاؤ"

امام محمد کے ساتھ

اس کے بعد محمد بن حسن نے مجھ سے کہا خادم کے ساتھ جاؤ۔ میں بے تکلف اُٹھ کھڑا ہوا مسجد کے دروازے پر پہنچا تو خادم نے کہا "آقا کا حکم ہے کہ آپ ان کے گھر سواری پر جائیں۔" میں نے جواب دیا "تو سواری حاضر کرو۔" خادم نے ایک سجا سجایا خچر میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ جب میں سوار ہوا تو تن کے پرانے کپڑے نگاہوں میں کھٹکنے لگے اور اپنی حالت پر افسوس ہوا۔ خادم کوفہ کے گلی کوچوں میں ہوتا ہوا محمد بن حسن کے گھر لایا۔

کچھ دیر بعد محمد بن حسن آئے۔ ایک ہزار درہم کا قیمتی جوڑا مجھے پہنایا۔ اور اپنے کتب خانہ سے امام ابو حنیفہ کی تالیف "الکتاب الاوسط" نکال لائے۔ میں نے کتاب اُلٹ پلٹ کے دیکھی اور رات کو اسے یاد کرنا شروع کیا۔ صبح ہونے سے پہلے پوری کتاب حفظ کر لی۔ مگر محمد بن حسن کو اس کی خبر نہ ہوئی۔

محمد بن حسن کوفہ میں سب سے بڑے مفتی تھے۔ ایک دن میں ان کے دائیں طرف بیٹھا تھا۔ ایک مسئلہ کا فتوے پوچھا گیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا ہے۔ میں بول اُٹھا "آپ سے سہو ہو گیا ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا قول وہ نہیں، یہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کا ذکر فلاں مسئلہ کے نیچے اور فلاں مسئلہ کے اوپر کیا ہے۔" محمد بن حسن نے فوراً کتاب منگا کر دیکھی تو میری بات بالکل ٹھیک نکلی۔ اسی وقت اُنہوں نے اپنے جواب سے رجوع کیا۔

کچھ دن بعد محمد بن حسن سے میں نے سفر کی اجازت چاہی، فرمانے لگے "میں اپنے کسی مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ میرے پاس جو مال و دولت موجود ہے اس میں سے آدھا تم لے لو۔" میں نے جواب دیا "یہ بات میرے مقاصد اور ارادے کے خلاف ہے۔ میری خوشی صرف سفر میں ہے۔" اس پر اُنہوں نے اپنے صندوق کی ساری نقدی منگائی، تین ہزار درہم نکلے سب میرے حوالے کر دئیے اور میں نے بلادِ عراق و فارس کی سیاحت شروع کی۔ لوگوں سے ملتا جلتا رہا۔ یہاں تک کہ میری عمر اکیس برس کی ہو گئی۔

ہارون رشید سے ملاقات

پھر میں ہارون رشید کے زمانے میں بغداد آیا۔ بغداد کے پھاٹک پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نرمی سے پوچھا، آپ کا نام؟ میں نے کہا محمد۔ پھر اس نے باپ کا نام پوچھا۔ میں نے کہا ادریس شافعی۔ کہنے لگا، آپ مطلبی ہیں؟ میں نے اقرار کیا۔ اس کے بعد جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور میرا بیان اس میں قلم بند کر کے مجھے چھوڑ دیا۔

میں ایک مسجد میں پہنچا اور سوچنے لگا کہ اس آدمی نے جو کچھ لکھا ہے دیکھنا چاہئے اس کا انجام کیا ہو؟ آدھی رات کے بعد پولیس والے آئے اور ہر شخص کو روشنی میں دیکھنا شروع کیا، آخر میری باری آئی اور پولیس نے پکار کر لوگوں سے کہا، "ڈرنے کی بات نہیں، جس آدمی کی تلاش تھی مل گیا ہے۔" پھر مجھ سے کہا "امیر المومنین کے حضور چلو۔"

میں نے پس وپیش نہیں کیا۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ شاہی محل پہنچا یا گیا۔ امیرالمومنین پر جب میری نظر پڑی تو صاف مضبوط آواز میں میں نے انھیں سلام کیا۔ امیرالمومنین کو میرا انداز پسند آیا۔ سلام کا جواب دیا، اور فرمایا "تم کہتے ہو کہ ہاشمی ہو؟" میں نے جواب دیا "امیرالمومنین! ہر دعویٰ کتاب اللہ میں باطل ہے۔" پھر امیرالمومنین نے میرا نسب پوچھا میں نے بیان کر دیا بلکہ آدم علیہ السلام تک پہنچا دیا۔ اس پر امیرالمومنین کہنے لگے "بے شک یہ فصاحت و بلاغت اولادِ مطلب ہی کا حصّہ ہے۔ بتاؤ کیا تم پسند کروگے کہ مسلمانوں کا قاضی بنا کر تمھیں اپنی سلطنت میں شریک کرلوں اور تم کتاب وسنت کے مطابق اپنا اور میرا حکم چلایا کرو۔" میں نے جواب دیا "سلطنت میں شرکت کے ساتھ صبح سے شام تک بھی قاضی بننا مجھے منظور نہیں۔" یہ سن کر امیرالمومنین بہت متاثر ہوئے۔

کتاب الزعفران کی تالیف

میں پھر اسی مسجد لوٹ آیا جس میں اُترا تھا۔ صبح کو ایک نوجوان نے نماز کی امامت کی اس کی قرأت تو اچھی تھی مگر علم کم تھا۔ نماز میں سہو ہوگیا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ میں نے کہا "بھائی! تم نے ہماری اور اپنی سب کی نماز خراب کر دی۔" نوجوان نے پھر سے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا "کاغذ اور قلم دوات لے آؤ۔ میں تمہارے لئے باب سہو لکھ دوں گا۔" وہ فوراً سب سامان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا بھی ذہن کھول دیا اور میں نے کتاب وسنت اور اجماع اُمت کے مطابق ایک مستقل کتاب لکھ دی۔ کتاب کا نام اسی کے نام پر "کتاب الزعفران" رکھا۔ یہ کتاب چالیس جزو میں پوری ہوئی۔

اب مجھے تین برس اور ہو چکے تھے۔ اسی اثنا میں حاجی حجاز سے لوٹے۔ میں ان سے امام مالک اور اپنے وطن کے حالات معلوم کرنے چلا، ایک نوجوان دکھائی دیا۔ میں نے اس سے امام مالک اور حجاز کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ کہنے لگا سب ٹھیک ہے۔ میں نے امام مالک کے بارے میں دوبارہ سوال کیا۔ تو کہنے لگا، تفصیل سے بتاؤں یا مختصر جواب دوں؟ میں نے کہا "اختصار ہی میں بلاغت ہوتی ہے۔" کہنے لگا "تو سنو، امام مالک بہت تندرست ہیں اور بہت دولت مند ہو گئے ہیں۔"

یہ سن کر مجھے شوق ہوا کہ فقروفاقہ میں تو امام مالک کو دیکھ چکا ہوں۔ اب مال و دولت میں انھیں دیکھنا چاہئے۔ میں نے نوجوان سے کہا "تمھارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میرے سفر کی ضرورتیں پوری ہوجائیں؟" اس نے جواب دیا۔ "آپ کی جُدائی عراق والوں پر عام طور سے اور مجھ پر خاص طور سے بہت شاق ہوگی۔ مگر میرے پاس جو کچھ ہے اسے اپنا ہی سمجھ کے لے لیجئے۔" میں نے کہا سب مجھے دیدو گے تو تم خود کس طرح زندگی بسر کروگے۔ کہنے لگا اپنی وجاہت اور اثر سے۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا اور کہا سب نہیں لیتے تو جتنا چاہو لے لو۔ میں نے ضرورت بھر لے لیا اور علاقہ ربیعہ کی راہ لی۔

ایک دلچسپ واقعہ

جمعہ کے دن میں حران پہنچا، غسل کے لئے حمام گیا۔ سر کے بال تراشنے کے لئے حجام کو طلب کیا۔ وہ تھوڑے بال کاٹنے پایا تھا کہ شہر کا کوئی امیر آدمی آگیا۔ حجام کو اس کی خدمت کے لئے یاد کیا۔ حجام نے مجھے چھوڑ دیا اور اس امیر آدمی کے پاس دوڑ گیا۔ پھر جب اس سے چھٹی پائی تو میرے پاس واپس آیا۔ میں نے

حجامت درست کرانے سے انکار کر دیا۔ مگر جب حمام سے جانے لگا تو میرے پاس جو دینار تھے ان میں سے اکثر حجام کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "یہ لے لو۔ مگر خبردار کسی پردیسی کو حقیر نہ سمجھنا" حجام نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا۔ حجام کے دروازے پر ایک بھیڑ لگ گئی۔ اور لوگ حیران تھے کہ میں نے اتنی بڑی رقم حجام کو کیوں دیدی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شہر کا ایک اور امیر آدمی حمام سے نکلا۔ اس کے سامنے سواری حاضر کی گئی۔ بھیڑ کے سامنے میں تقریر کر رہا تھا۔ میری آواز اس کے کان میں پڑ گئی وہ سوار ہو چکا تھا، لیکن اتر پڑا اور مجھ سے کہنے لگا "آپ شافعی ہیں؟" میں نے اقرار کیا، تو امیر آدمی نے سواری کی رکاب میرے قریب کر دی اور عاجزی سے کہنے لگا "برائے خدا سوار ہو جائیے" میں سوار ہو گیا۔ غلام سر جھکائے آگے آگے چل رہا تھا یہاں تک کہ امیر کا گھر آ گیا۔

تھوڑی دیر میں خود وہ امیر آدمی آ پہنچا اور بڑی بشاشت ظاہر کی۔ پھر دستر خوان بچھ گیا اور ہمارے ہاتھ دھلائے گئے مگر میں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ امیر کہنے لگا کیوں کیا بات ہے"؟ میں نے جواب دیا "میں اس وقت تک ایک لقمہ بھی نہ اٹھاؤں گا جب تک یہ نہ بتا دو کہ تم نے مجھے پہچانا کیسے"؟ امیر نے کہا "بغداد میں آپ نے جو کتاب (کتاب الزعفران) لکھ کر سنائی تھی اس کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا" یہ سن کر میں نے کہا "علم دانش مندوں کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے"۔

میں تین دن تک اس شخص کا مہمان رہا۔ چوتھے دن اس نے کہا "حران کے اطراف میں میرے چار گاؤں ہیں اور یہ گاؤں ایسے ہیں کہ پورے علاقے میں ان کی نظیر نہیں۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ یہاں رہ جائیں تو سب گاؤں آپ کی خدمت میں ہدیہ ہیں"۔ میں نے جواب دیا "سب گاؤں مجھے دیدو گے تو خود تمہاری گذر بسر کیسے ہو گی؟" کچھ صندوقوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "آپ وہ صندوق دیکھتے ہیں؟ ان میں چالیس ہزار درہم موجود ہیں، اس رقم سے کوئی تجارت کروں گا" میں نے کہا "لیکن میں نے اپنا وطن محض تحصیل علم کے لئے چھوڑا ہے نہ کہ دولت کمانے کے لئے، اس لئے مجھے یہاں اقامت پذیر ہو جانا منظور نہیں" اس پر اس نے کہا "سچ ہے۔ تاہم مسافر کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے گاؤں نہ سہی یہ ساری نقدی ہی قبول کر لیجئے" پھر اس نے وہ چالیس ہزار کی رقم میرے حوالے کر دی۔ میں نے اسے خدا حافظ کہا اور حران سے اس حال میں روانہ ہوا کہ آگے پیچھے بوجھ لدے ہوئے تھے۔ راستے میں اصحاب حدیث ملے۔ ان میں احمد بن حنبل، سفیان بن عینیہ اور اوزاعی بھی تھے۔ میں نے ہر ایک کو اس قدر دیا جتنا کہ اس کے مقدر میں تھا۔

امام مالک سے دوبارہ ملاقات

جب شہر رملہ پہنچا تو میرے پاس اس چالیس ہزار میں سے صرف چند دینار باقی تھے۔ میں نے کرایہ کی سواری لی اور حجاز کو روانہ ہو گیا۔ آخر ستائیسویں دن مدینۃ الرسولؐ پہنچ گیا۔ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھی۔ اب کیا دیکھتا ہوں لوہے کی ایک کرسی مسجد میں رکھی ہے۔ کرسی پر قباطی مصر کا تکیہ جما ہوا ہے اور تکیہ پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مالک بن انسؒ آتے دکھائی دئے۔ پوری مسجد عطر سے مہک اٹھی۔ امام مالک کے ساتھ

چار سو یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع تھا۔ امام مالک اپنی مجلس میں پہنچے تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہو گئے۔
امام مالکؒ کرسی پر بیٹھ گئے اور جراح عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے قریب کے آدمی کے کان میں کہا۔ اس مسئلہ کا جواب یہ ہے۔ اس شخص نے میرا بتایا ہوا جواب اونچی آواز سے سُنا دیا۔ مگر امام مالک نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور شاگردوں سے جواب کے طالب ہوئے۔ شاگردوں کے سب جواب غلط تھے۔ امام مالک نے کہا تم غلطی پر ہو۔ پہلے ہی آدمی کا جواب صحیح ہے۔ یہ سُن کر وہ جاہل جس کے کان میں میں نے جواب بتایا تھا بہت خوش ہوا۔ امام مالک نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ جاہل میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے پھر جواب بتا دیا۔ اس دفعہ بھی امام مالک کے شاگرد جواب نہ دے سکے اور اس جاہل کی زبانی میرا ہی جواب ٹھیک نکلا۔ پھر تیسرے مسئلہ پر بھی یہی صورت پیش آئی۔ تب امام مالک اس جاہل کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "یہاں آؤ۔ وہ جگہ تمہاری نہیں ہے۔" یہ آدمی امام مالک کے پاس پہنچا، تو انہوں نے سوال کیا۔ "کیا تم نے مؤطا پڑھی ہے؟" جاہل نے جواب دیا "نہیں"۔ امام مالک نے پوچھا "ابن جریج کے علم پر تمہاری نظر ہے؟" اس نے پھر کہا "نہیں"۔ امام مالک نے پوچھا "جعفر بن محمد صادق سے ملے ہو؟" کہنے لگا "نہیں"۔ اب تو امام مالک کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے "پھر یہ علم تمہیں کہاں سے ملا؟" جاہل نے جواب دیا "میرے قریب ایک نوجوان بیٹھا تھا اور وہی مجھے ہر مسئلہ کا جواب بتا رہا تھا۔"

اب تو امام مالک نے میری طرف گردن اُٹھائی۔ دوسروں کی گردنیں بھی اُٹھ گئیں اور امام مالک نے اس جاہل سے کہا۔ "جاؤ اور نوجوان کو میرے پاس بھیج دو۔" میں امام مالک کے پاس پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے جاہل اُٹھا تھا۔ وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا "شافعی ہو؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں شافعی ہوں۔" امام مالک نے مجھے گھسیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ پھر کرسی سے اُتر پڑے اور کہا "علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں تم اسے پورا کرو۔" میں نے تعمیل کی اور جراح عمد کے چار سو مسئلے پیش کئے۔ مگر کوئی آدمی بھی جواب نہ دے سکا۔
اب سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور امام مالک نے میری پیٹھ ٹھونکی پھر اپنے گھر لے گئے۔ پرانی عمارت کی جگہ اب نئی عمارت کھڑی تھی۔ میں بے اختیار رونے لگا۔ یہ دیکھ کر امام مالک نے کہا "ابو عبداللہ! تم روتے کیوں ہو؟ شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے دنیا کے لئے آخرت تج دی؟" میں نے جواب دیا "جی ہاں، یہی اندیشہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔" کہنے لگے "تمہارا دل مطمئن رہے، تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو ہدیہ ہے۔ خراسان سے، مصر سے، دنیا کے دور دراز گوشوں سے ہدیوں پر ہدیئے چلے آ رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور صدقہ رد کر دیتے تھے۔ میرے پاس اس وقت خراسان کے مصر کے اعلیٰ کپڑوں کے تین سو خلعت موجود ہیں۔ اب یہ سب میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ ہے۔ صندوقوں میں پانچ ہزار دینار رکھے ہیں۔ اس کی زکوٰۃ نکلی ہوئی ہے۔ اس میں سے بھی آدھی رقم تمہاری ہے۔"
میں نے کہا "دیکھئے آپ کے بھی وارث موجود ہیں اور میرے بھی وارث زندہ ہیں۔ آپ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے اس کی

تحریر ہو جانا چاہئے۔ تحریر سے میری ملکیت مسلّم ہو جائے گی۔ اگر میں مر گیا تو ان سب کو آپ کے ورثا نہ لے سکیں گے۔ بلکہ میرے وارثوں کو مل جائیگا۔ اسیطرح اگر خدانخواستہ آپکی وفات ہوگئی تو یہ بھی آپ کے وارثوں کا نہیں میرا ہو جائیگا۔" یہ سن کر امام مالک مسکرائے اور فرمایا "یہاں بھی علم سے کام لیتے ہو۔" میںنے جواب دیا "علم کے استعمال کا اس سے بہتر موقع اور کون ہو سکتا ہے؟"

صبح نماز فجر ادا کی اور مسجد سے ہم اس حال میں گھر لوٹے کہ میرا ہاتھ امام مالک کے ہاتھ میں تھا اور امام مالک کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے ہیں میرے منہ سے نکل گیا ایسے خوبصورت تو میں نے آج تک نہیں دیکھے۔ امام مالک نے فوراً جواب دیا "یہ سب سواریاں بھی تمہارے ہدیے ہیں۔" میں نے عرض کیا "کم سے کم ایک جانور تو اپنے لئے رہنے دیجئے۔" اس پر امام مالک نے جواب دیا "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو میری سواری اپنی ٹاپوں سے روندے جسکے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔" یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اس فراوانی میں بھی امام مالکؒ کا تقویٰ بدستور باقی ہے۔

وطن کو واپسی تین دن امام مالک کے گھر میں قیام رہا پھر میں مکہ کو روانہ ہو گیا۔ مگر اس حال میں کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر و برکت اور مال و متاع کے بوجھ آگے آگے جا رہے تھے۔ میں نے ایک آدمی پہلے مکہ بھیج دیا تھا۔ کہ واپسی کی خبر پہنچا دے۔

جب حدود حرم میں پہنچا تو والدہ کچھ عورتوں کے ساتھ دکھائی دیں۔ انہوں نے مجھے گلے لگایا۔ پھر ایک بڑی بی نے بھی گلے لگایا۔ میں اس بی بی سے مانوس تھا اور انہیں خالہ کہا کرتا تھا۔ انہوں نے گلے لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

مااملك اجناحت المنايا كل فواد عليك ام

موت تیری ماں کو بہا نہیں لے گئی ماامتا کے معاملہ میں ہر دل تیری ماں ہے

یہ پہلی آواز تھی جو مکہ کی سرزمین پر میرے کانوں نے سنی۔ پھر میں نے آگے بڑھنا چاہا۔ والدہ کہنے لگیں "کہاں؟" میں نے کہا "گھر چلیں۔" بولیں "ہیہات، کل تو مکے سے فقیر کی صورت میں گیا تھا اور آج امیر بن کے لوٹا ہے تاکہ اپنے چچیرے بھائیوں پر گھمنڈ کرے۔" میں نے کہا "پھر آپ ہی بتائیں میں کیا کروں؟" کہنے لگیں "منادی کردے کہ بھوکے آئیں کھانا کھائیں، پیدل آئیں اور سواری لے جائیں، محتاج آئیں اور کپڑا پہن جائیں! اس طرح دنیا میں بھی تیری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا اجر بھی اپنی جگہ محفوظ رہے گا۔"

میں نے تعمیل حکم کی۔ اس واقعہ کی شہرت دور دور پھیلی۔ امام مالکؒ نے بھی سنا اور میری ہمت افزائی کی۔ کہلا بھیجا "جتنا دے چکا ہوں اتنا ہی ہر سال تمھیں بھیجتا رہوں گا۔" چنانچہ انہوں نے اپنے اس وعدے کو پوری طرح نباہا اور سالانہ میرے پاس وہ سب کچھ بھیجتے رہے جو مدینے میں انہوں نے مجھے دیا تھا۔ گیارہ سال یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ۔